پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا اس کائنات اور جمیع مخلوقات کو تخلیق فرمانا دراصل جذبۂ خود اظہاریت کے بسبب ہے۔ یہی خود اظہاری کا وصف انسان کی سرشت میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ وہ بھی خود کی ذات وصفات کا اظہار چاہتا ہے۔ انسان کے اس جذبے کی ایک اظہاری صورت ادب ہے۔ خالقِ کُل کے تخلیقی عمل میں خواہش نمود کے باوجود اختیار کُل کی وجہ سے اسکی ذات اس نقص سے پاک ہے کہ اسے کسی کشمکش کا سامنا کرنا پڑے لیکن بنی آدم اپنی بے اختیاری اور نیازمندی کے بہ سبب روزِ اوّل سے ہی کئی داخلی اور خارجی کشمکشوں کا شکار رہا ہے اور یہ چیز ازل سے اسکا مقدر ٹھہری ہے۔ یہ کشمکش درحقیقت احتیاجی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ انسانوں میں اس کشمکش کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوتا ہے لیکن اگر ادیب کی بات کریں تو اس میں یہ اسکے ادب سے دکھائی دیتی ہے۔ جذبۂ شوق وتجسس کی بنا پر جس طرح اس کائنات میں غور وفکر کرنے سے خالق کائنات کی ذات کا عرفان حاصل ہوسکتا ہے اسی طرح کسی ادیب کا ادب پارہ بھی اپنے خالق کی ذات وصفات اور شخصیت کی گرہیں اُجاگر کرنے میں مدد دے سکتا ہے اور اسکی نفسیات سے کما حقہٗ واقف کرا سکتا ہے۔ اسکا ادب، اس ماحول اور عہد کی نفسیاتی کشمکش کا بھی بڑی حد تک ادراک کرانے میں ممد ثابت ہوسکتا ہے جس میں وہ معرضِ وجود میں آیا ہوتا ہے، لہذا کہا جاسکتا ہے جو سماج اور عہد کی مجموعی فکر اور رجحان ہوتا ہے ایک ادیب کا ادب اسکا مظہر ہوتا ہے۔ بعینہٖ فارسی کے اس مشہور محاورے کے مصداق ''ہر چہ در دیگ است بہ چمچہ می آید'' (جو دیگ میں ہوتا ہے وہی چمچے میں آتا ہے)۔

خودنوشت ادب کی ایک اہم غیر نثری صنف کے ساتھ ساتھ جہاں اپنے آپ کو اظہار کرنے کا ایک بہترین وسیلہ ہے وہیں یہ ایک ایسی واحد ادبی صنف بھی ہے جس کی مدد سے قارئین سب سے زیادہ

خودنوشت نگار کی ذات اور شخصیت کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکتے ہیں نیز وہ اس کی اور اسکے عہد کی نفسیاتی کشمکش کو بھی جان سکتے ہیں کیونکہ اس آئینہ میں مصنف اور اسکا عہد دونوں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ یہ خودنوشت نگار کی زندگی کے تجربات، مشاہدات، نظریات، عادات، محسوسات و خیالات کی ایک مربوط سرگزشت ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ تر مطمحِ نظر مصنف کی ذات ہوتی ہے اس لیے روشنی کا حلقہ ابتدا سے آخر تک مصنف کی ذات کو ہی جگمگاتا رہتا ہے لیکن ساتھ ہی کچھ کرنیں دوسرے گوشوں کو بھی منور کر دیتی ہیں۔ خودنوشت کے مطالعے سے خودنوشت نگار کی زندگی کے جمیع نشیب و فراز سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے نہ صرف اسکی خارجی زندگی سے روشناس ہونے کا موقع ملتا ہے بلکہ یہ ایسا آلہ بھی ثابت ہوسکتا ہے جس کی مدد سے مصنف کی داخلی کیفیات کے حجرے میں بھی جھانک کر نہاں خانوں تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کی مدد سے خودنوشت نگار کے مجموعی ادب، موضوعات کے انتخاب اور اُسلوب کے پس پردہ محرکات کا سراغ مل سکتا ہے۔ خودنوشت نگاروں اور انکے عہد کی نفسیاتی کشمکش اور نبرد آزمائی کا مطالعہ قارئین کے لیے بصیرت آمیز ہونے کے ساتھ ساتھ عرفانِ ذات کا موجب بھی بن سکتا ہے۔ وہ اس طرح اپنے لیے راہِ اعتدال چن سکتے ہیں۔ قصہ کوتاہ یہ کہ خودنوشتوں کا نفسیاتی مطالعہ ادیب، ادب اور عہد شناسی کی طرف نئی جہتیں کھولتا ہے اور ادب کا معیار اور مقام معین کرنے میں مدد دیتا ہے۔ انکا مطالعہ ہر اعتبار سے نہایت سودمند ثابت ہوسکتا ہے۔ اسی افادیت و اہمیت کے پیشِ نظر میں نے اپنے پی ایچ۔ ڈی مقالے کے لیے ''اُردو خودنوشت اور نفسیاتی کشمکش'' کو موضوع بنایا اور اس پر خامہ فرسائی کرنا وقت کی اہم ضرورت خیال کیا۔ اپنے تحقیقی مقالے کی ترتیب و تنظیم کی خاطر میں نے اسے پانچ ابواب پر مشتمل رکھا ہے۔ ابواب کی ترتیب اور مختصر تعارف اس طرح ہے:۔

باب اول: ''خودنوشت: فن اور روایت ایک اجمالی جائزہ'' ہے۔ اس باب میں خودنوشت سوانح نگاری کا فنی نقطۂ نگاہ سے تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں اسکی تعریف و مفہوم، اُصول، فن، محرکات اور اقسام پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد اُردو میں اسکی روایت کا بھی سرسری جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ آخر میں اس کی اہمیت و افادیت اور اس صنف کے روشن امکانات پر بھی کلام کیا گیا ہے۔

بـــاب دوم: ''نفسیات اورنفسیاتی کشمکش'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں نفسیات کی تعریف اوراس کے اقسام پر بحث کے ساتھ ساتھ مختلف ماہرینِ نفسیات جیسے فرائڈ، ایڈلر، یونگ اور اریک اریکسن کے نظریات کی روشنی میں نظریۂ کشمکش پر روشنی ڈالی گئی ہےاور دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح ایک انسان مہد سے لے کرلحد تک مختلف داخلی اور خارجی کشمکشوں میں مبتلا رہتا ہے جس سے اسکی شخصیت متاثر ہوتی ہےاور یہ کہ وہ اثرات کن مختلف صورتوں میں پھر ظاہر ہوتے ہیں۔اس باب میں سگمنڈ فرائڈ کا نظریہ تحلیلِ نفسی،شعور،تحت الشعور،لاشعور،شخصیت کی حرکیات،شخصیت کے تشکیلی عناصر، الیکٹرا اور ایڈیپس کامپلکس ،اسی طرح یونگ کا نظریۂ انفرادی اور اجتماعی لاشعور،تضادات کے جوڑوں میں پرسونا اورانیمس ،دروں بیں اور بیروں بیں شخصیت ،ایڈلرکانظریۂ احساس کمتری و برتری اور اریک اریکسن کے زندگی کے آٹھ مراحل کی کشمکش کی وضاحت کے بشمول سارے نظریات پر گفتگو کی گئی ہے۔آخرمیں ادب اورنفسیات کے رشتے پر بھی کلام کیا گیاہے۔

بـــاب سوم: ''۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۰ء تک کی نمائندہ خودنوشتوں میں نفسیاتی کشمکش'' سے معنون ہے۔ مذکورہ باب میں جن تین خودنوشتوں کاانتخاب عمل میں لایا گیاہےانکے اسماءاس طرح ہیں: ''یادوں کی بارات''،''بوئے گل ، نالۂ دل دودِ چراغِ محفل''اور''آپ بیتی''۔اس باب میں ان تینوں خودنوشتوں میں موجودنفسیاتی کشمکش کےعناصر کی جانب نشاندہی کر کے انکے پسِ پردہ اسباب کو مذکورہ بالا ماہرینِ نفسیات کےنظریات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔نیزخودنوشت نگاران کشمکشوں سے کس طرح نبردآزما ہوئے اوراس سے کس طرح کاادب پھر معرضِ وجودمیں آیا،اس کا تجزیہ بھی پیش کیا گیاہے۔

بـاب چـهـارم: ''۱۹۸۰ء سے ۲۰۰۰ء تک کی نمائندہ خودنوشتوں میں نفسیاتی کشمکش'' سے موسوم ہے۔اس باب میں جن تین خودنوشتوں کومنتخب کیا گیاہے،وہ اس طرح ہیں:''سلسلۂ روز وشب''، ''بُری عورت کی کتھا''اور''اس آبادخرابے میں''۔یہاں بھی باب سوم کی طرح یہی کوشش کی گئی ہے کہ مختلف ماہرینِ نفسیات کےنظریات کی روشنی میں ان خودنوشتوں کے مطالعے سے جوخودنوشت نگاروں کی نفسیاتی کشمکش سامنے آتی ہے ان کی نشاندہی کر کے ان کے پس پشت اسباب کوتلاشا جائے۔علاوہ ازیں

ادیب اور ادب پر ان کشمکشوں کے کس نوعیت کے اثرات مرتب ہوئے ہیں اور موضوعات کے انتخاب اور اسلوب کے پس پردہ کیا محرکات رہے ہیں ان کا بھی جائزہ لینے کی سعی کی گئی ہے۔

باب پنجم: مندرجہ بالا ابواب کا ماحصل اور اہم نکات ونتائج پر مشتمل محاکمہ ہے۔

منتخبہ خودنوشتوں کے علاوہ اگرچہ اور خودنوشتیں بھی لی جاسکتی تھیں، لیکن میرا خیال ہے اس طرح مقالہ بے جا طوالت پا تا جو کسی صورت مناسب نہیں رہتا۔ اس لیے میں نے فقط مقالے کا حجم بڑھانے کی خوامخواہ سعی نہ کر کے اختصار و اجمال کو ہی ملحوظِ نظر رکھا ہے اور صرف ان ہی چھ خودنوشتوں پر اکتفا کیا ہے۔

مقالہ مکمل ہونے پر سب سے پہلے میں اپنے خالق و مالک اللہ رب العزت کا شکر بجالاتا ہوں۔ اسی کے فضل و کرم اور عنایت سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس کے بعد مجھ پر واجب ہے کہ میں اپنی خضرِ راہ ڈاکٹر کوثر رسول صاحبہ کا شکریہ ادا کروں۔ استاذہ محترمہ نے جس شفقت اور خندہ پیشانی سے میرے نامساعد و ناموافق حالات میں میری راہ نمائی و حوصلہ افزائی فرمائی، میں ان شفقتوں کے لیے خلوص کے ساتھ جذبۂ ممنونیت پاتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحبہ نے اس دوران جن گراں قدر مشوروں سے مجھے وقتاً فوقتاً نوازا، وہ میرے تحقیقی سفر میں چراغِ راہ ثابت ہوئے۔ یہ ادنیٰ سی کوشش اور اس مقالے کی خوبیاں میری نظر میں انھیں کی مرہونِ منت ہے۔ اظہارِ تشکر کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے میں شعبۂ اُردو کشمیر یونیورسٹی کے موجودہ سربراہ پروفیسر اعجاز محمد شیخ صاحب کا بھی صمیمِ قلب سے ممنون ہوں۔ میں ڈاکٹر مشتاق حیدر صاحب، ڈاکٹر الطاف انجم صاحب، ڈاکٹر عرفان عالم صاحب اور دیگر اساتذہ صاحبان کا بھی سپاس گزار ہوں جن سے وقتاً فوقتاً فیض یاب ہونے کا موقع ملتا رہا۔ احسان ناشناسی ہوگی اگر شعبۂ اُردو کے غیر تدریسی عملے کا شکریہ ادا نہ کیا جائے۔ میں انکا شکریہ ادا کرنا بھی اپنی واجبات میں سمجھتا ہوں۔

میں اپنے ایک دیرینہ مشفق اُستاد جناب سلیم سالکؔ صاحب کا بھی انتہائی ممنونِ کرم ہوں جنھوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی اور رہنمائی فرمائی ہے۔ میں مقالے کی تکمیل کے لیے اپنے رفیقوں کی مدد اور حوصلہ افزائیوں کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں خصوصاً محمد شفیع بٹ، صلاح الدین شاہ، محمد یونس ٹھوکر، صابر شبیر، عرفان رشید، ڈاکٹر اختر، ڈاکٹر طاہر محمود، شمس الدین، آزاد راتھر اور جاوید راتھر کا انتہائی

شاکر و ممنون ہوں ان سب احباب نے کسی نہ کسی طرح اس حوالے سے میری مدد کی ہے۔

میں اپنے گھر والوں میں اپنی بہنوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو میری صحت و عافیت اور کامرانی کے لیے ہمیشہ دُعا گو اور میری مدد کے لیے پیش پیش رہتی ہیں۔ میں اپنی اہلیہ کا بھی تہہ دل سے سپاس گزار ہوں جنکا مخلصانہ تعاون مجھے ہر مرحلے پر حاصل رہا۔ یہ انکا شوق و اصرار ہی تھا جس نے مجھے مقالہ مکمل کرنے کے لیے ہمہ وقت تازہ دم رکھا۔ میں متشکر ہوں اپنے بہنوی شوکت سعد صاحب کا جنہوں نے اس دوران بہت سی سہولیات میرے لیے فراہم کیں۔ میرے چھوٹے بھانجے محمد حسنین سعد کا بھی شکریہ جس نے اپنی معصوم حرکتوں سے اس عرصے میں ذہنی سکون پہنچا کر اس صبر آزما کام کو آسان کرنے میں میری مدد کی۔ شکریہ کی آخری منزل کے موقع پر میں اپنے والدین کا ذکر کیے بغیر کیسے رہ سکتا ہوں جو سب سے زیادہ میرے اظہارِ تشکر کے مستحق ہیں لیکن شکریہ جیسا لفظ انکی شفقت و محبت کے بدلے میں ہیچ لگتا ہے۔ اس لفظ سے میرے جذبات کی مناسب ترجمانی نہیں ہوسکتی ہے۔ کسی بھی طرح کی اسکالرشپ سے محرومی کے باوجود اگر میں اس مقالے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوا ہوں تو اس میں میرے والدین کا سب سے زیادہ ہاتھ ہے۔ یہ انکی دعاؤں، شفقتوں، حوصلہ افزائیوں اور آج تک کے تعاون کا ہی ثمرہ ہے جس نے مجھے تعلیم کے اس مقام تک پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بدست دُعا ہے کہ انکی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور انکا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے۔ آمین!

آخر میں مجموعی طور پر پھر ان سبھی اشخاص کا دل سے شکریہ، جنہوں نے کسی بھی طرح اس مقالے کی تکمیل میں میری اعانت یا رہنمائی فرمائی۔ **جزاکم اللہ خیراً کثیراً**

عبدالباسط ہارون

ریسرچ اسکالر

شعبۂ اُردو، کشمیر یونیورسٹی